مدارس دینیہ میں "تصوّف" کی تدریس

طاہر رضا بخاری*

قومی اور بین الاقوامی سطح پر "دینی مدرسہ سسٹم" کو بے شمار چیلنجز درپیش ہیں۔ایک طرف دہشت گردی اور انتہا پسندی کے تانے دینی مدارس سے منسلک کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، جبکہ دوسری طرف دینی مدارس کے فارغ التحصیل۔۔۔۔دورِ حاضر میں دینی اور عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کو تیار نہ ہیں۔جدید عصری تناظر میں صاحبانِ محراب و منبر، اصحاب سجادہ وارباب مسندِ تدریس کو اخلاص، محبت، رواداری، انسان دوستی اور تحمل و برداشت جیسے جذبوں سے سرشار ہونے کی اشد ضرورت ہے، جس کے لیے "صوفیانہ اندازِ فکر و عمل" اپنا ناوقت کا اہم تقاضا ہے۔

موضوع کا بنیادی سوال:

موضوع کا بنیادی سوال دینی مدارس میں "تصوّف" کی تدریس سے متعلق ہے۔

- اسلامی دنیا کا نظام و نصابِ تعلیم، غزنی، غور اور خراسان سے لاہور، دہلی، آگرہ، اجمیر اور ہندوستان کے دوسرے شہروں میں پہنچا۔اس علمی روایت کے تسلسل میں برصغیر پاک و ہند کے مدارس میں کم و بیش وہی نصاب رائج ہوا جو دیگر اسلامی ممالک میں تھا۔
- سلطان محمود غزنوی کے عہد میں دینی مدارس کے نظام تعلیم میں اہم اور بنیادی مضامین چار تھے۔

i۔تفسیر ii۔حدیث iii۔فقہ iv۔تصوّف

دینی مدارس میں "تصوّف" کی تدریس اہم مضمون کے طور پر کم و بیش 700 سال تک جاری رہی۔تا آنکہ ملّا نظام الدین سہالوی (متوفی ۱۷۴۸ء) نے اٹھارویں صدی میں موجودہ درسِ نظامی کے نصاب سے "تصوّف" کو بطور مضمون تدریس سے خارج کر دیا۔

- "تزکیۂ نفس" تعمیر سیرت اور تشکیل کردار جیسے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے مشائخ متقدمین کے ملفوظات اور ان کے باطنی اشغال اور روحانی معاملات و کیفیات سے اکتسابِ فیض سے اِعراض پیدا ہو گیا اور صاحبانِ محراب و منبر اور اربابِ مسندِ تدریس حکمت، برداشت اور حوصلہ کی بجائے مناظرہ و مجادلہ کی طرف زیادہ مائل ہیں۔

اسلوبِ تحقیق:

مقالہ ہذا کے اسلوبِ تحقیق کے اہم نقاط درج ذیل ہیں:

i۔ یہ مقالہ موجودہ "درس نظامی" اور مدارسِ دینیہ کے حالیہ تدریسی ڈھانچہ کو سامنے رکھ کر تحریر کیا گیا ہے۔

ii۔ ضروری معلومات، اصل مصادر سے اخذ کرنے کی بھرپور سعی کی گئی ہے۔

iii۔ مختلف مقامات پر موجود آراء میں فرق اور تطبیق کو واضح کیا گیا ہے۔

---

*ڈائریکٹر جنرل مذہبی امور و اوقاف پنجاب، پاکستان

iv۔ حوالہ جات اور حواشی۔۔۔ مقالہ میں موجود ترقیم کے مطابق مقالہ کے آخر میں "شکاگو مینوئل آف سٹائل" کے مطابق درج کیے گئے ہیں۔

مقالہ کا خاکہ:

مقالہ کا خاکہ درج ذیل ہے:

پہلی بحث: برصغیر میں صوفیاء کی آمد اور مدارس دینیہ کی ترویج

دوسری بحث: مدارس دینیہ کے نصاب کی تشکیل کے مختلف مراحل

تیسری بحث: موجودہ "درس نظامی" کی تشکیل

چوتھی بحث: "تصوّف" کا اخراج اور اس کے اثرات

مقالہ کے نتائج:

حوالہ جات:

شریعتِ اسلامی کا بنیادی ہدف انسان کی مجموعی اصلاح ہے۔ انسان کا وجود، دو جہتوں کا حامل ہے۔

i۔ ظاہری یا مادی جہت ii۔ باطنی یا روحانی جہت

ان جہتوں کا مناسب ربط اور ان میں ہمہ پہلو توازن ہی خوبصورت زندگی کا مظہر ہے۔ انسان کی ضرورت یہ ہے کہ اس کا ظاہر یعنی مادی وجود بھی توانا اور اس کا باطن یعنی روحانی وجود بھی فعال رہے۔ ظاہر و باطن کا عدم توازن انسان کو متضاد ومعاندانہ رویوں میں تقسیم کر دیتا ہے، جس سے انسانی شخصیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔

اسلامی تعلیمات کے بنیادی ماخذ قرآن اور حدیث ہیں، جن سے ہر طرح کی راہنمائی کے جملہ اصول وضوابط میسر ہیں۔ معاشرتی زندگی کے احکام کا تعلق "علم فقہ" سے اور تہذیب باطن کے حوالے سے راہنمائی "علم التصوف" سے میسر آتی ہے۔ علومِ ظاہری اور تہذیبِ باطنی کے معارف وقواعد میں دوری یا مخاصمت نہیں بلکہ قربت اور تعاون ہے۔ تعلیم و تدریس اور علوم و قواعد کو جب فکری راستی اور روحانی تابانی میسر آ جائے تو انسانی زندگی میں حُسن اترنے لگتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہی "احسان" ہے۔

" اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ وَ اِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ ."(۱)

"(احسان یہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کرو کہ جیسے تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو نہ دیکھ پائے تو یوں خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

اسلامی تصورِ علم میں تعلیم وتربیت، دونوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے، جس میں ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ تعلیمِ کتاب وحکمت اور "تزکیہ نفس" دونوں کو ساتھ ساتھ انجام دینا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظامِ تعلیم میں تعلیم اور "سیرت سازی" ایک ہی حقیقت کے دو پہلو رہے ہیں۔ اس کا اظہار "علم وفضل" کی اصطلاح سے بھی ہوتا ہے، جو

علم، نیکی اور اخلاقِ حسنہ جیسے مفاہیم کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ (۲)

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں "صُفّہ" کے نام سے پہلی منظّم درس گاہ قائم فرمائی، جس میں اصحابِ صفّہ متعلم تھے اور آنحضور ﷺ ان کے معلمِ اعلیٰ۔ "صفّہ" کے انداز وتربیت ہی سے "صوفی" اور تصوّف جیسی اصطلاحات معرض وجود میں آئیں اور صوفیاء نے خانقاہی نظام کو اسی "صُفّہ" سے مستفیض ومستنیر کیا۔ ابتدائی چار صدیوں میں ہماری مساجد ہی دینی تعلیم کا مرکز ومحور رہیں۔ ایک ایک مسجد میں کئی کئی حلقے اور ان میں پھر کئی ہزار طلبہ کی شمولیت ہماری تاریخ کا زرّیں باب ہے۔ مساجد کے علاوہ باقاعدہ مدارس کی تشکیل کا آغاز پانچویں صدی ہجری میں ہوا۔ اس خطّہ میں سب سے پہلا مدرسہ، جس کی اپنی عمارت، سرکاری گرانٹ، وقف املاک برائے عام اخراجات اور مرتّبہ نصابِ تعلیم وغیرہ موجود تھا، سلطان محمود غزنوی نے اپنے پایۂ تخت غزنی میں قائم کیا۔ سلطان محمود غزنوی نے اپنی پوری مملکت میں بے شمار مدارس قائم کیے، تاریخ نے سلطان محمود غزنوی کو اس کے عسکری حملوں کی وجہ سے تو یاد رکھا ہے لیکن علم کی دنیا میں جو انقلاب آفرین اقدام اس نے کیے، اس کا قرار واقعی اعتراف نہیں کیا گیا۔ (۳)

بلاشبہ غزنوی فتوحات سے ہندوستان کی سیاسی، تمدنی اور مذہبی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ سلطان محمود غزنوی نے 999ء سے 1030ء تک ہندوستان کو اپنی جہانگشایانہ ہمت کا بازیچہ بنائے رکھا اور کم وبیش سترہ بار اس کو زیر و زبر کیا۔ جس وقت پنجاب پر غزنویوں کا تسلط قائم ہوا، اس وقت تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف جیسے تمام اسلامی علوم اچھی طرح نشو ونما پا چکے تھے۔ غزنی جو محمود کے زمانے میں اسلامی عجم کا سب سے بڑا مرکز تھا، ان سب علوم کا گہوارہ بن گیا تھا، اور جب پنجاب، سلطنت غزنی کا حصہ بنا تو ناممکن تھا کہ وہ دارالحکومت کے ماحول سے متاثر نہ ہوتا۔ بلاشبہ برصغیر میں علومِ اسلامیہ کی ترسیل غزنویوں کے عہد میں ہوئی، پنجاب ـ ـ ـ اور پنجاب میں بھی لاہور کو علمی، تمدنی اور دینی اعتبار سے سب سے زیادہ ترقی نصیب ہوئی، جہاں الشیخ محمد اسماعیل بخاریؒ کو فضل تقدم حاصل ہوا، الشیخ السید علی بن عثمان الہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخشؒ، غزنی کے ایک گاؤں ہجویر کے رہنے والے تھے۔ آپؒ علم وفضل اور زہد وورع میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے عہد کے مشہور علماء حضرت ابوالعباس بن محمد الاشقانیؒ، شیخ ابوجعفر محمد بن الصباح الصیدلانی جیسی ہستیوں سے اکتسابِ علم کیا، اور باطنی اصلاح وتربیت کے لیے شام، عراق، بغداد، آذربائیجان، طبرستان، کرمان، خراسان، ماوراءالنہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا اور مشاہیر صوفیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؒ نے لاہور میں علم وعرفان کی شمع فروزاں کی، تصوف وروحانیت کی تعلیمات کو عام کیا اور کشف المحجوب جیسی معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی۔ صوفیاء وعلماء کی برکتوں اور کوششوں سے لاہور نہ صرف "مرکزِ اسلام ہند" شمار کیا جانے لگا بلکہ اس کو "ثانی دارالملک غزنین" کا رتبہ حاصل ہو گیا۔ کتب خانوں کی یہ حالت تھی کہ فخر الدین مبارک شاہ نے جب "بحرالانساب" کی تالیف شروع کی تو نسب جیسے دقیق موضوع پر ایک ہزار کتاب اس کو میسر آ گئی۔ (۴)

بالعموم یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی اور ان کے مذہبی، دینی، تعلیمی اور تمدنی

ادارے غوریوں کی فتوحات کے بعد وجود میں آئے۔ لیکن یہ امر حقیقت کے منافی ہے۔ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار سے قبل مسلمان یہاں آباد ہو چکے تھے اور انہوں نے اپنی خانقاہیں، مدرسے اور مسجدیں قائم کر لی تھیں۔ ہندوستان کی سب سے بڑی خانقاہ اور ہندی مسلمانوں کا سب سے بڑا روحانی اور دینی مرکز "اجمیر" پرتھوی راج کے عہد حکومت میں قائم ہوا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان آئے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر دین اسلام کی ترویج واشاعت میں مصروف ہو گئے (۵)۔ تاہم ہندوستان میں مسلمانوں کی علمی اور دینی زندگی کا باقاعدہ آغاز، سلطنتِ دہلی کے قیام سے ہی ہوتا ہے۔ سلطنتِ دہلی کی بنیاد ایسے زمانے میں رکھی گئی، جب وسط ایشیاء میں مسلمانوں کے علم وفضل کے مراکز تباہی سے دوچار تھے۔ بغداد و بخارا کے ٹوٹے پھوٹے تارے ہندوستان کی فضائے علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر نمودار ہوئے اور یوں اسلامی ہند کو اپنے ابتدائی دور میں علماء ومشائخ کی ایک ایسی کثیر تعداد مل گئی جس نے سارے خطہ کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اس قافلے کا جو فرد جہاں ٹھہر گیا وہاں ایک علمی اور روحانی مرکز کی داغ بیل پڑ گئی۔ بغداد و بخارا کے علمی خزانے سرزمین ہند میں ہر خاص وعام کے لیے کھول دیئے گئے اور ملک کا گوشہ گوشہ علم وروحانیت سے جگمگا اٹھا۔

سلطان شمس الدین التتمش مشائخ وعلماء کی صحبت کا بڑا شوقین تھا۔ جب کسی بزرگ یا عالم کی آمد کا سنتا تو میلوں تک استقبال کے لیے نکل جاتا اور نہایت عزت واحترام کے ساتھ شاہی مہمان کے طور پر ٹھہراتا۔ اس کی علم دوستی سے متاثر ہو کر صدہا مشائخ، صوفیاء، علماء، شعراء، ادیب اس خطہ میں آ کر قیام پذیر ہوئے۔ التتمش کے عہد میں جو مشائخ اور علماء ہندوستان آئے، ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱۔ شیخ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی	۲۔ سید نور الدین مبارک غزنوی
۳۔ الشیخ قاضی حمید الدین ناگوری	۴۔ شیخ جلال الدین تبریزی
۵۔ شیخ نظام الدین ابوالمؤیدؒ	۶۔ مولانا مجد الدین حاجیؒ
۷۔ شیخ بدر الدین غزنویؒ	۸۔ شیخ محمد ترکؒ (۶)

بلاشبہ برصغیر میں قافلہ علم وحکمت اور شریعت وطریقت کے سرخیل ایسے عظیم المرتبت صوفیاء تھے، جن کا تبحر علمی اپنی جگہ مسلّمہ تھا اور انہیں کے دم قدم سے اسلام کے شجر طیبہ کو مضبوطی اور تقویت میسر آئی، بایں وجہ برصغیر کے ابتدائی تدریسی نظام پر "تصوّف" کا غلبہ ایک فطری اور بدیہی سی بات تھی۔ جس کا اثر جملہ مدارسِ دینیہ نے بخوشی قبول کیا۔

مدارس کی اقسام:

اسلامی ہند میں ابتدائی طور پر قائم ہونے والے مدارس حسب ذیل نوعیت کے تھے:

- ☆ خانقاہوں سے ملحق
- ☆ مساجد سے ملحق
- ☆ مزارات سے ملحق
- ☆ حکومت کی قائم کردہ
- ☆ انفرادی (۷)

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی ہندوستان تشریف آوری ایک زبردست روحانی، سماجی، علمی اور دینی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس انقلاب کی اہمیت سمجھنے کے لیے گیارہویں اور بارہویں صدی کے ہندوستان کی سماجی حالت کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے، جس میں پورا معاشرہ "اسیرِ امتیاز ما و تو" میں الجھا ہوا اور ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں اسلام کا "نظریۂ توحید" عملی سطح پر پیش کیا اور بتایا کہ یہ محض ایک تخیلی چیز نہیں ہے، بلکہ زندگی کا ایک ایسا اصول ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی سب تفریق بے معنی ہو جاتی ہے۔ خواجہ اجمیری کے خلفاء میں دو بزرگ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

i۔ شیخ قطب الدین بختیار کاکی" ii۔ شیخ حمید الدین ناگوری"

شیخ قاضی حمید الدین ناگوری صاحبِ تصنیف بزرگ تھے۔ ان کی تصانیف رسالہ عشقیہ، طوالع الشموس، لوائح اور شرح اسمائے حسنیٰ، دین و تصوف اور روحانیت کی معرکۃ الآراء کتابیں تھیں۔ آپؒ نے ناگور میں قیام فرمایا اور ایک بیگہ زمین کی کاشت سے اپنا گھر بار چلاتے، ان کی شانِ استغناء نے دنیاوی جاہ و حشم کا تذکرہ بھی ان کی مجلس میں نہ آنے دیا۔ ایک مرتبہ ناگور کے والی نے کچھ زمین اور نقد روپیہ نذر پیش کی۔ آپؒ نے قبول کرنے سے معذرت چاہی اور فرمایا: ہمارے خواجگان میں سے کسی نے ایسی چیز قبول نہ کی، ایک بیگہ زمین جو میرے پاس ہے، میرے لیے کافی ہے۔ راجپوتانہ کے ایک گاؤں میں کاشت کرنے والا یہ "مردِ فقیر" ایک جید عالم اور دینی علوم پر کامل دسترس رکھنے والی ایسی ہستی تھی، جو اپنے مریدین اور متعلقین کو "علم الفرائض" کے حصول کی تلقین اور امام غزالی کی "کیمیائے سعادت" ہمہ وقت زیرِ مطالعہ رکھنے کی تاکید کرتے تھے۔

اس عہدِ اولین کا نصاب کیا تھا۔۔۔؟ اور مقاصد تعلیم کیا تھے؟ اگر نصابِ تعلیم سے مقاصدِ تعلیم کا پتہ لگایا جا سکتا ہے تو "سرور الصدور" میں شیخ حمید الدین ناگوری کے وضع کردہ نصاب کی مجوزہ کتابوں کو پیشِ نظر رکھیں۔ جن کا ذکر خلیق احمد نظامی نے اپنی تصنیف "تاریخ مشائخ چشت" میں کیا ہے، جن کی تدریس کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں صحیح دینی جذبہ پیدا کرنے کی امنگ اور پھر مسلمان کے لیے دین کے بنیادی مسائل اور اوامر و نواہی اور فرائض سے پوری طرح واقفیت بطور خاص پیشِ نظر تھا۔(۸)

ایک اور التمش کے زمانہ میں ہندوستان میں چشتیہ اور سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہوئیں، سہروردیہ سلسلہ کی معروف شخصیت حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کو تعلیم کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے نہایت اعلیٰ اور قابل اساتذہ معقول مشاہرہ پر متعین کیے تھے۔ چشتیہ سلسلہ کی خانقاہوں میں مریدوں کی تعلیم کا انتظام رہتا تھا۔ بابا فرید الدین گنج شکر نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کو قرآن پاک کے چند پارے، تمہید ابوشکور سالمی اور عوارف المعارف سبقاً سبقاً پڑھائی تھی۔ حضرت شیخ بختیار کاکی جب ملتان پہنچے تو دیکھا کہ بابا فرید الدین گنج شکر۔۔۔ مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں ''کتابِ نافع'' کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ مولانا علاء الدین اصولی اور مولانا شادی مقری نے بدایوں میں، مولانا شمس

الدین ملک اور مولانا کمال الدین زاہد کے مدرسے دہلی میں شہرت کے حامل ہیں۔(۹)

برصغیر میں مدارسِ دینیہ کا اوّلین نصاب:

اب تک کی معروضات سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ برصغیر میں اسلامی علوم و معارف کی نشو وارتقاء مشائخ وصوفیاء کے زیر سایہ عمل میں آئی اور اس میں خانقاہ یا خانقاہ سے متصل مدارس کا کردار بڑا کلیدی اور بنیادی نوعیت کا ہے۔

ہندوستان میں صحیح معنوں میں اسلامی حکومت کی بنیاد سلطان محمود غزنوی نے رکھی، جس نے ۱۰۲۱ء میں پنجاب کو فتح کر کے اپنی حکومت میں شامل کیا اور پھر رفتہ رفتہ تمام ہندوستان کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ وہ علم و دانش کا دلدادہ تھا، اس نے دور دراز ایشیائی ممالک کے علماء کو اپنے دربار میں جمع کیا۔ خود بھی فارسی اور عربی کا عالم تھا۔ محمود غزنوی کے زمانے میں غزنی علم و فضل کا مرکز تھا(۱۰)۔ اسلامی ممالک میں مساجد اور خانقاہوں کے پہلو بہ پہلو مدارس و مکاتب کے قیام کا عام رواج تھا، محمود غزنوی اور اس کے امراء کے ذریعہ یہ طریقہ ہندوستان میں بھی رائج ہوا۔ برصغیر کو غزنوی سے صرف مساجد میں مدارس قائم کرنے کی روایت ہی ورثے میں نہیں ملی بلکہ یہ مدرسے ایک پورا نظام تعلیم بھی اپنے ساتھ لائے۔ برصغیر میں سلطان محمود غزنوی کے زیر اثر اعلیٰ دینی تعلیم کا جو نصاب تشکیل پایا وہ نو مختلف علوم (تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تصوف، ادب، نحو، کلام اور منطق) پر مشتمل تھا(۱۱)۔ تاہم مرکزی مضامین میں کوئی تبدیلی لائے بغیر محمود غزنوی کے بعد کے عرصے میں کتب مجوزہ میں اضافے کئے جاتے رہے جیسا کہ نیچے دیئے ہوئے جدول میں بعض وہ کتابیں شامل نظر آ رہی ہیں جو سلطان محمود غزنوی کے بعد کی تصنیف کردہ ہیں۔ سلطان محمود غزنوی کے زیر اثر جو نصابِ تعلیم رواج پایا اسے ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے (۱۲)۔

نمبر شمار	نام علم وفن	تعداد کتب	تفصیل کتب و مصنفین
۱	تفسیر	۳	درج ذیل تفاسیر کے منتخب حصے: مدارک: ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی (م ۷۱۰ھ/ 1310ء) بیضاوی: ناصر الدین، عبداللہ بن عمر بیضاوی (م ۶۸۵ھ/ 1286ء) کشاف: ابوالقاسم محمود بن عمر جاراللہ زمخشری (م ۵۲۸ھ/ 1134ء)
۲	حدیث	۲	مشارق الأنوار: رضی الدین، حسن بن حسن صغانی (م 1252ء) مصابیح السنۃ (مشکوۃ کا متن): محی السنۃ، حسین بن مسعود فراء بغوی (م ۵۱۶ھ/ 1122ء)
۳	فقہ	۱	ہدایہ: علامہ برہان الدین مرغینانی (م ۵۹۳ھ/ 1197ء)
۴	اصول فقہ	۲	منار الأنوار: ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی (م ۷۱۰ھ/ 1310ء) اصول بزدوی: علامہ علی ابوالحسن بزدوی

۵	تصوف	۴	عوارف المعارف: شیخ شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۲ھ/ 1234ء) فصوص الحکم: ابن عربی شیخ ابوبکر محی الدین محمد بن علی (م 1240ء) نقد النصوص: نور الدین عبدالرحمٰن جامی (م 1492ء) لمعات: فخر الدین ابراہیم ہمدانی (م ۶۸۸ھ/ 1289ء)
۶	ادب	۱	مقامات حریری: ابو محمد قاسم بن علی حریری (م ۵۱۶ھ/ 1122ء)
۷	نحو	۴	مصباح: ابوبکر عبدالقادر بن عبدالرحمٰن جرجانی کافیہ: ابن حاجب، ابوعمرو، عثمان بن عمر (م ۶۴۶ھ/ 1249ء) لب الالباب: عبداللہ بن عمر، ناصر الدین بیضاوی (م ۶۸۵ھ/ 1286ء) ارشاد: شہاب الدین دولت آبادی (م ۸۴۹ھ/ 1445ء)
۸	کلام	۲	شرح صحائف: سمرقندی، تمہید: ابوشکور سالمی حصاری
۹	منطق	۱	قطبی: قطب الدین رازی (م ۷۶۶ھ/ 1364ء)

یہ نصاب ہندوستان کا پہلا دینی نصاب ہے، لہٰذا ذیل میں اس کا عمومی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

o چونکہ اس نصاب کا بنیادی تصور غزنی اور غور سے آیا تھا جہاں فقہ اور اصول فقہ کا زور تھا اور معقولات سے اس قدر رغبت نہ تھی اس لئے اس نصاب میں مذہبی مضامین کا حصہ زیادہ ہے۔

o مدارس کا اعلیٰ نصاب نو مختلف علوم وفنون/ مضامین پر مشتمل تھا۔ علوم عالیہ کے پانچ مضامین (تفسیر، حدیث، فقہ اصول فقہ اور تصوف) شامل تھے اور علوم عقلیہ کے دو مضامین (کلام و منطق) جبکہ علوم شرعیہ کے لئے معاون مضامین یا علوم آلیہ کی تعداد بھی دو (نحو و اَدب) تھی۔ اس طرح نو علوم وفنون میں خالص علومِ شرعیہ کا تناسب 56% (چھپّن فی صد)، علومِ عقلیہ و علوم آلیہ کا تناسب 22%, 22% تھا۔

o علومِ عالیہ، پانچ مضامین (تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ اور تصوّف) پر مشتمل ہیں، جن میں "فقہ اور اصولِ فقہ" کو اگر ایک ہی مضمون تصوّر کر لیا جائے تو حقیقتاً یہ چار مضمون رہ جاتے ہیں، جن کو بجا طور پر "اہم مضامین" (Major Subjects) کا درجہ حاصل تھا، ان میں بھی "تصوّف" کے مضمون کا نصاب سب سے زیادہ وقیع اور جامع ہے، جو کہ علومِ عالیہ میں سرِ فہرست ہے۔

o نصاب میں بیشتر مضامین کی تعلیم وتدریس کے لئے مقررہ یا مجوزہ کتب کی تعداد میں اضافے ہوتے رہے۔ چنانچہ کتب کی تعداد ایک اور بعض جگہ ایک سے زائد ہمیں نظر آتی ہے جیسا کہ مذکورہ جدول (table) سے واضح ہوتا ہے۔

۴۔ نو علوم وفنون کے لئے مجوزہ و مقررہ کتب کی کل تعداد 22 تک رہی، جن میں علوم شرعیہ کے کتب کی تعداد بارہ 12

تھی، جو کل کتب کا 60% (ساٹھ فی صد) بنتا ہے۔ علوم عقلیہ کے لئے کتب کی تعداد تین تھی جو کل کتب کا 15% بنتا ہے، جبکہ علوم آلیہ کے کتب کی تعداد پانچ تھی، جو کل کتب کا 25% بنتا ہے۔ اس طرح گویا نصاب میں علوم عالیہ کو اولین حیثیت دی گئی تھی اور پھر علوم آلیہ وعقلیہ کو علی الترتیب دوم وسوم حیثیت دی گئی تھی۔

مذکورہ بیان کردہ نصاب کو ہم ہندوستان کا پہلا دینی نصاب کہہ سکتے ہیں جس نے بعدازاں درس نظامی کی تشکیل کے لئے خشت اول کا کام کیا۔ درس نظامی کی تشکیل میں اس نصاب سے تفاسیر میں سے ''مدارک'' اور ''بیضاوی'' کو، فقہ کے لئے ''ہدایہ'' کو، نحو کے فن کی کتب میں سے ''کافیہ'' کو جبکہ منطق کی کتاب ''قطبی'' کو درس نظامی میں لیا گیا۔ (۱۳)

عہدِ سلاطین:

غوری عہد (1186ء تا 1208ء) کے بعد، برصغیر پر خاندانِ غلاماں "خلجی"، تغلق، سادات اور لودھی۔۔۔ پانچ خاندانوں کے مجموعی دورِ حکومت کو تاریخ میں "عہدِ سلاطین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا عرصہ حکومت تقریباً 320 سال پر محیط ہے۔ مقامی سازشوں اور بیرونی حملہ آوروں کے سبب یہاں کے تعلیمی نظام میں کئی مدو جزر آئے، تاہم بنیادی طور پر "عہدِ غزنی" کا نظامِ تعلیم کسی نہ کسی طرح جاری رہا۔ (۱۴)

سکندر لودھی [1489-1517] کے عہد میں مدارس کا نصاب:

لودھی حکومت کی ابتداء۔۔۔ برصغیر میں اسلامی نظامِ تعلیم کی تاریخ میں دوسرے عہد کے آغاز کے طور پر جانا جاتا ہے۔ لودھی عہد (1451ء تا 1526ء) پندرہویں صدی عیسوی سے شروع ہو کر اکبری دور کے آغاز (963ھ/1556ء) تک جاری رہا۔ نصاب کی اس تبدیلی میں سکندر لودھی (1517ء۔ 1489ء) کی ذاتی دلچسپی اور پنجاب کے مشہور عالم عبداللہ تلنبی کی سعی کو بڑا دخل ہے۔ سکندر لودھی کے دور میں درج ذیل نصاب تعلیم تشکیل پایا (۱۵)۔

نمبر شمار	نام علم وفن	تعداد کتب	تفصیل کتب و مصنفین
1	تفسیر	3	درج ذیل تفاسیر کے منتخب حصے: مدارک: ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی (م ۷۱۰ھ / 1310ء) بیضاوی: ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی (م ۶۸۵ھ/1286ء) کشاف: محمود بن عمر جاراللہ زمخشری (م ۵۲۸ھ/1134ء)
2	حدیث	2	مشارق الأنوار: رضی الدین حسن بن حسن صغانی (م 1252ء)، مصابیح السنة (مشکوۃ کا متن): محی السنة حسین بن مسعود فراء بغوی (م ۵۱۶ھ/1122ء)
3	فقہ	2	ہدایہ: علامہ برہان الدین مرغینانی (م ۵۹۳ھ/1197ء)، شرح وقایہ (ثانی): عبیداللہ بن مسعود صدر الشریعہ (م ۷۴۷ھ/1346ء)

4	اصول فقہ	3	منارالأنوار: ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی (م۷۱۰ھ/ 1310ء)، اصول بزدوی: علامہ علی ابوالحسن بزدوی، تلویح: سعدالدین تفتازانی (م۷۹۲ھ/ 1389ء)
5	تصوف	4	عوارف المعارف: شیخ شہاب الدین سہروردی (م۶۳۲ھ/ 1234ء) فصوص الحکم: ابن عربی، شیخ ابوبکر محی الدین محمد بن علی (م1240ء) نقد النصوص: نورالدین عبدالرحمٰن جامی (م1492ء) لمعات: فخر الدین ابراہیم ہمدانی (م۶۸۸ھ/ 1289ء)
6	اَدب	1	مقامات حریری: قاسم بن علی حریری (م۵۱۶ھ/ 1123ء)
7	نحو	5	مصباح: ابوبکر عبدالقار بن عبدالرحمٰن جرجانی، کافیہ: ابن حاجب ابوعمرو عثمان بن عمر (م۶۴۶ھ/ 1249ء)، لب الالباب: عبداللہ بن ابوالخیر ناصرالدین بیضاوی (م۶۸۵ھ/ 1286ء)، ارشاد: شہاب الدین دولت آبادی (م۸۴۹ھ/ 1445ء)، شرح جامی: نورالدین عبدالرحمٰن جامی (م۸۹۸ھ/ 1492ء)
8	بلاغت	2	مختصر المعانی: سعدالدین تفتازانی (۷۹۲ھ/ 1389ء)، مطول: سعدالدین تفتازانی (م۷۹۲ھ/ 1389ء)
9	کلام	4	شرح صحائف: سمرقندی، تمہید: ابوشکور سالمی حصاری، شرح عقائد نسفی: سعدالدین تفتازانی (م۷۹۲ھ/ 1389ء)، شرح مواقف: سید شریف جرجانی (م۸۱۶ھ/ 1413ء)
10	منطق	1	قطبی: قطب الدین رازی (م۷۶۶ھ/ 1364ء)

یہاں یہ بات افادہ سے خالی نہیں ہوگی کہ سکندر لودھی کے دور کے مذکورہ بالا نصاب کا اپنے سے پیش تر نصاب یعنی سلطان محمود غزنوی کے دور کے نصاب سے ایک تقابل پیش کیا جائے تا کہ نصابوں کا تسلسل سامنے آئے۔ چنانچہ اگر دونوں نصابوں کا تقابل کیا جائے تو درج ذیل امور سامنے آتے ہیں:

- سلطان محمود غزنوی کے نصاب میں کل نو علوم وفنون (مضامین) شامل تھے، جب کہ سکندر لودھی کے نصاب میں ایک نئے مضمون ''بلاغت'' کا اضافہ کرنے سے مضامین کی تعداد دس ہوئی۔
- درسیات کے اہم مضامین میں "تصوف" کی حیثیت بنیادی مضمون کے طور پر معتبر رہی اور گذشتہ نصاب میں موجود کتب کو برقرار رکھا گیا۔ تاہم اس عرصہ میں دیگر کچھ کتابوں کے نام بھی ملتے ہیں جو باقاعدہ نصاب میں شامل تو نہ تھیں مگر کثرت سے زیر مطالعہ رہتیں، جن میں اخلاق وتصوف کی معروف کتب شامل تھیں، جن میں تعرف لمذہب اہل التصوف، قوت القلوب، امام غزالی کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت، امام قشیری کا رسالہ قشیریہ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی

نہج البلاغۃ بطور خاص شامل ہیں۔

o سلطان محمود غزنوی کے نصاب میں کتب مقررہ/ مجوزہ کی کل تعداد بیس تھی جب کہ سکندر لودھی کے نصاب میں ان کی تعداد بڑھ کر اٹھائیس ہوگئی۔

o سلطان محمود غزنوی کے نصاب میں ''نحو'' کے مضمون کے لئے چار کتابیں مقرر تھیں، جب کہ سکندر لودھی کے نصاب میں ''شرح جامی'' کے اضافے کے ساتھ نحو کے مضمون کے لئے کتب کی تعداد پانچ ہوگئی۔

o سلطان محمود غزنوی کے نصاب میں فقہ کی تدریس کے لئے صرف ''ہدایہ'' شاملِ نصاب رہا جب کہ سکندر لودھی کے نصاب میں اس کے ساتھ ''شرح وقایہ'' کا بھی اضافہ ہوا۔

o سلطان محمود غزنوی کے دور کے نصاب میں ''اصول فقہ'' کی تدریس کے لئے دو کتابیں تھیں جب کہ سکندر لودھی کے نصاب میں ان کے ساتھ ''تلویح'' کا اضافہ کر کے کتب مقررہ کی تعداد تین کی گئی۔

o چار مضامین (تفسیر، حدیث، تصوف اور ادب) کے کتب مقررہ میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا، چنانچہ دونوں نصابوں میں ان مضامین کے لئے کتب مقررہ یکساں رہیں۔

o سکندر لودھی کے نصاب میں منطق کے مضمون میں ایک کتاب ''شرح مطالع'' کا اضافہ اور ''کلام'' کے مضمون میں دو مزید کتابوں کا اضافہ کیا گیا۔

o عہد سلاطین کے تعلیمی نظام کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ "صدر الصدور" کی یہ اہم ذمہ داری تھی کہ وہ نامور علماء اور اساتذہ کی تلاش کرتے اور پھر بادشاہ کے حضور ان کی سفارش کرے، تا کہ یہ حضرات بنیادی ضروریات میں خود کفیل ہو کر پوری دلجمعی سے تعلیمی خدمات سرانجام دیں۔

سکندر لودھی کے نصاب میں سلطان محمود غزنوی کے دور کے نصاب سے کوئی کمی نہیں کی گئی بلکہ اسے باقی رکھتے ہوئے چند کتب کا اضافہ کیا گیا، اس طرح سکندر لودھی کا نصاب سلطان محمود غزنوی کے دور کے نصاب ہی کا تسلسل ہے، تاہم سکندر لودھی کا دور معقولات وفلسفہ کے عروج کا دور تھا، اور معقولات میں کمال ہی کو معیار فضیلت سمجھا جاتا تھا، اس لئے معقولی کتب کا اضافہ کیا گیا۔ ملا بدایونی اور مولانا غلام علی آزاد بلگرامی دونوں کی تحقیق یہ ہے کہ سکندر لودھی کے دور میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ نے ہندوستان میں معقولات متعارف کرائیں ورنہ ان سے پہلے لوگ منطق میں ''قطبی'' اور علم کلام میں ''شرح صحائف'' کے علاوہ کسی دوسری کتاب کا نام بھی مشکل سے جانتے تھے(۱۶)۔

درس نظامی کی تشکیل میں سکندر لودھی کے دور کے نصاب میں سے، فقہ میں شرح وقایہ، اصول فقہ میں تلویح، کلام میں شرح عقائد نسفی اور شرح مواقف، نحو میں شرح جامی، بلاغت میں مطول ومختصر المعانی موجودہ درس نظامی میں شامل ہیں، اس طرح درسِ نظامی میں سکندر لودھی کے دور کے نصاب کا بھی مناسب حصہ نظر آتا ہے۔

۳۔ دورِ اکبری (1556-1605ء) میں مدارس کا نصاب:

مغلیہ عہد (1526ء۔1766ء) تقریباً اڑھائی سو سال پر محیط ہے، مغلیہ سلطنت کے بانی ظہیر الدین محمد بابر کا بیٹا اور جانشین ہمایوں علم و ادب کا دلدادہ تھا۔ عہدِ اکبری میں برصغیر کے نظام تعلیم میں کئی نصابی تبدیلیاں رونما ہوئیں، جس کی وجہ سے اکبری دور کے نصابِ تعلیم کو ہندوستانی تعلیم کی تاریخ کا تیسرا دور قرار دیا گیا ہے جو عالمگیر کے عہد کے اختتام تک جاری رہا۔

اکبر مذہبی آزادی کا زبردست حامی تھا۔ اس وجہ سے اس کا دربار فلسفہ وحکمت کے علماء سے بھرا رہتا تھا۔ اکبر کو پتہ چلا کہ معقولات کا مشہور عالم میر فتح اللہ شیرازی بیجاپور آیا ہوا ہے تو اکبر نے والئی بیجاپور (عادل خان دکنی) کے نام ایک فرمان جاری کیا اور میر فتح اللہ شیرازی کو اپنے دربار میں بلوایا، اسے اپنے دربار میں منصب وزارت سے نوازا۔ فتح اللہ شیرازی ایران وخراسان وغیرہ کے علمائے متاخرین کی تصانیف ہندوستان لائے اور انہیں حلقۂ درس میں شامل کیا (۱۷)۔ اس نے کئی مضامین وکتب کا نصاب میں اضافہ کیا، حکومتی سرپرستی اور علماء وقت کی عملی تائید سے میر فتح اللہ شیرازی کے تیار کردہ نصاب کو ہندوستان کے دینی نظام تعلیم میں قبولیت عام حاصل ہوئی۔

مغل دربار میں ایرانی علماء کی آمد اکبر کے دور سے نہیں بلکہ اس سے پہلے شروع ہو چکی تھی، چنانچہ اس کے والد ہمایوں نے جب ۱۵۴۰ء میں شیر شاہ سوری سے شکست کھائی اور وہ ہندوستان کی طرف سے بالکل مایوس ہو گیا تو اس نے ایران کا رخ کیا۔ ایران کا بادشاہ طہماسپ صفوی اس کے ساتھ بڑے حسن سلوک سے پیش آیا اور جب ایک عرصہ قیام کے بعد ہمایوں نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا تو اسے فوج دی جس کی مدد سے اس نے ۱۵۴۵ء میں قندھار اور ۱۵۵۰ء میں کابل فتح کیا۔ ۱۵۵۵ء میں ہندوستان آیا اور دہلی و آگرے پر قابض ہو گیا۔ جب ہمایوں سفر ایران کے بعد ہندوستان واپس آیا تو اس کے ساتھ بے شمار ایرانی سپاہی، امراء اور علماء کا ایک گروہ تھا۔ اس وقت سے ایران اور ہندوستان کے تعلقات دوستانہ ہو گئے۔ اس سے پہلے بھی غزنوی خاندان کے وقت سے ہندوستانی مسلمانوں کی ادبی اور درباری زبان فارسی تھی اور ایران سے ماہرین علم وفن ہندوستان آتے رہتے تھے، لیکن ہمایوں کے بعد یہ سلسلہ بہت وسیع ہو گیا۔ ان ماہرین علم وفن کی آمد علوم وفنون کی اشاعت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی تشکیل میں بہت مفید ثابت ہوئی اس طرح مغلیہ حکومت کے استحکام اور قرار میں بھی ایرانی ذہانت اور تدبر کو بڑا دخل تھا۔

ایرانی علماء ومفکرین کی ہندوستان آمد کا تجزیہ کرتے ہوئے اسلامی ہند و پاک کی مذہبی اور علمی تاریخ کے مشہور مؤرخ شیخ محمد اکرام کہتے ہیں کہ:

عام طور پر شیعوں نے ملّی مفاد کو مد نظر رکھا اور اپنی ذہانت، بلند نظری اور قابلیت سے ہماری تمدنی اور ادبی تاریخ

میں کئی رنگین باب اضافہ کیے۔اہل سنت حضرات نے بھی بالعموم اُن سے دوستی اور رواداری کا سلوک کیا ہے اور غالب کو اردو کا بہترین شاعر، آزاد کو اردو کا بہترین نثر نگار اور رائٹ آنریبل سید امیر علی کو اسلام کا بلاد مغرب میں بہترین ترجمان سمجھتے، اس وقت کسی کو ایک لمحہ کے لئے خیال نہیں آتا کہ وہ شیعہ تھے یا سنی (۱۸)۔

ایرانی ثقافت اور ایرانی علمی سرمایہ کے متعلق علامہ اقبالؒ بھی بڑے پایہ کے خیالات رکھتے تھے، وہ کہتے ہیں:

اگر مجھ سے سوال کیا جائے کہ تاریخ اسلام کا سب سے اہم واقعہ کون سا ہے تو میں بلا تامل اس کا یہ جواب دوں گا کہ فتح ایران، معرکہ نہاوند نے عربوں کو نہ صرف ایک دل فریب سرزمین کا مالک بنا دیا بلکہ ایک قدیم قوم پر مسلط کیا جو سامی اور آریائی مصالحے سے ایک نئے تمدن کا محل تعمیر کرنے کی قابلیت رکھتی تھی، ہمارا اسلامی تمدن سامی تفکر اور آریائی تخیل کے اختلاط کا ماحصل ہے جب ہم اس کے خصائل وشمائل پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نزاکت اور دل ربائی اسے اپنی آریہ ماں کے بطن سے اور اس کا وقار و متانت اسے اپنے سامی باپ کے صلب سے ترکے میں ملا ہے، فتح ایران کی بدولت مسلمانوں کو وہی گراں مایہ متاع ہاتھ آئی جو تسخیر یونان کے باعث اہل روما کے حصے میں آئی تھی اگر ایران نہ ہوتا تو ہمارے تمدن کی تصویر بالکل یک رخی رہتی (۱۹)۔

عہد اکبری کا نصاب:

دور اکبری میں میر فتح اللہ شیرازی کا تیار کردہ دینی نصاب درج ذیل تھا (۲۰):

نمبر شمار	نام علم وفن	تعداد کتب	تفصیل کتب و مصنفین
1	تفسیر	2	درج ذیل تفاسیر کے منتخب حصے: مدارک: ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی (م ۷۱۰ھ / 1310ء)، بیضاوی: ناصر الدین عبداللہ بن عمر بیضاوی (م ۶۸۵ھ/ 1286ء)
2	حدیث	3	مشکوۃ المصابیح (مکمل): ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ (م ۷۶۰ھ)، شمائل ترمذی (مکمل): امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ / 901ء)، صحیح بخاری (کچھ حصے): امام محمد بن اسماعیل بخاری (م ۲۵۶ھ/ 878ء)
3	فقہ	2	ہدایہ: علامہ برہان الدین مرغینانی (م ۵۹۳ھ/ 1197ء)، شرح وقایہ (ثانی): عبیداللہ بن مسعود صدر الشریعہ (م ۷۴۷ھ/ 1413ء)
4	اصول فقہ	3	حسامی: حسام الدین، محمد بن محمد بن عمر (م ۶۴۴ھ/ 1247ء)، توضیح: سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ/ 1389ء)، تلویح: سعد الدین تفتازانی (م ۷۹۲ھ/ 1389ء)

5	تصوف	5	عوارف المعارف: شیخ شہاب الدین سہروردی (م۶۳۲ھ/1234ء)، شرح رباعیات جامی، رسائل نقشبندیہ، مقدمہ نقد النصوص: نورالدین جامی (م1492ء)، مقدمہ شرح لمعات: فخرالدین ابراہیم ہمدانی (م۶۸۸ھ/1289ء)
6	نحو	2	کافیہ: ابن حاجب، امام جمال الدین (م۶۴۶ھ/1249ء)، شرح جامی: نورالدین عبدالرحمٰن جامی (م۸۹۸ھ/1492ء)
7	بلاغت	2	مختصر المعانی: سعدالدین تفتازانی (۷۹۲ھ/1389ء)، مطول: سعدالدین تفتازانی (۷۹۲ھ/1389ء)
8	فلسفہ	1	شرح ہدایت الحکمۃ (میبذی): میر حسین میبذی (م۱۰۹۶ھ/1685ء)
9	کلام	2	شرح عقائد: سعدالدین تفتازانی (م۷۹۲ھ/1389ء)، حاشیہ خیالی: شمس الدین احمد بن موسیٰ (م۸۶۰ھ/1456ء)، شرح مواقف: علی بن محمد سید شریف جرجانی (م۸۱۶ھ/1413ء)
10	منطق	2	شرح شمسیہ (قطبی): قطب الدین رازی (م۸۶۶ھ/1364ء)، شرح مطالع: قاضی سراج الدین بن ابی بکر (م۶۸۹ھ/1291ء)
11	ہیئت		بعض مختصر رسائل
12	حساب		بعض مختصر رسائل
13	طب	1	موجز القانون: علاء الدین ابوالحزم القرشی (م۶۷۸ھ/1279ء)

"درس نظامی" پر عہد اکبری (1556ء-1605ء) کے اثرات:

عہدِ اکبری میں حدیث کے نصاب میں اضافہ کردہ کتاب ''مشکوٰۃ المصابیح''، اصول فقہ میں دور اکبری کی اضافہ کردہ کتاب ''توضیح''، اور فلسفہ وحکمت کی کتاب ''شرح ہدایۃ الحکمۃ'' کو درس نظامی میں شامل کیا گیا، اس طرح درس نظامی کی تشکیل میں دور اکبری کے نصاب سے بھی استفادہ کیا گیا۔

"تدوین نصاب" کا چوتھا دور:

مذکورہ تین نصابات کے جائزے سے یہ امر پوری طرح عیاں ہے کہ ان میں "تصوف" کی تدریس بنیادی اور اہم مضمون کے طور پر جاری رہی، مدارسِ دینیہ کے نصاب کی تدوین کا چوتھا دور اٹھارویں صدی عیسوی میں ملا نظام الدین

سہالوی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔

● **ملّا نظام الدین سہالوی:** ملا نظام الدین سہالوی بانی درس نظامیہ، معتبر عالم دین، فقیہ، فلسفی، شارح اور ایک ممتاز مدرس 1088-1089ھ/1677-1678ء میں، موجودہ اتر پردیش (بھارت) کے ایک قصبہ، سہالی میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق وہاں کے مشہور انصاری خاندان سے تھا اور ان کے جد امجد ہرات کے مشہور بزرگ شیخ عبداللہ انصاریؒ تھے۔ ان کے اسلاف میں شیخ نظام الدین نے سہالی میں سلسلۂ درس وتدریس کا آغاز کیا، جن کے پڑپوتے شیخ حافظ کے زہد وعلم سے متاثر ہو کر شہنشاہ اکبر نے ان کے لیے اس علاقے میں معقول جاگیر دینے کا فرمان جاری کیا اور اس کی بدولت شیخ حافظ اور ان کی اولاد نے باطمینان فرائض درس ادا کیے اور اپنے طلبہ کے قیام وطعام کی بھی کفالت کی۔

ملا نظام الدین نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ملا قطب الدین شہید سے حاصل کی۔ سال 1103ھ/1691ء میں ملا قطب الدین کو سہالی کے شیخ زادوں نے شہید کر کے ان کے مکان کو مال واسباب اور کتاب خانے سمیت نذر آتش کر دیا اور ان کے چاروں بیٹے لکھنؤ چلے گئے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے اس خاندان کی علمی خدمات کا پاس کرتے ہوئے ۱۱۰۵ھ/۱۶۹۳ء میں، ایک فرمان کے ذریعے لکھنؤ کی ایک مشہور کوٹھی فرنگی محل انہیں عطا کر دی۔ (۲۱) شیخ محمد اکرام کے مطابق:

فرنگی محل، لکھنؤ کا ایک محلّہ ہے جہاں ابتداً ایک فرانسیسی تاجر مقیم تھا، جس کے تعلق کی وجہ سے یہ علاقہ "فرنگی محل" کہلاتا ہے۔ جب وہ تاجر اپنے وطن واپس چلا گیا تو یہ زمین "نزول" یعنی سرکاری ہوگئی۔ اورنگ زیب کے زمانے میں ملاّ قطب الدین نے فروغ حاصل کیا۔ وہ قصبہ سہالی میں رہتے تھے، جہاں عثمانیوں اور انصاریوں میں زمینداری پر کچھ جھگڑا تھا۔ ۱۱۰۳ھ بمطابق 1691ء کی ایک رات چند عثمانی ملا قطب الدین انصاری گھر پر چڑھ دوڑے اور ملاّ کو شہید کر کے ان کے گھر کو جلا دیا۔ ان کے صاحبزادے ملاّ محمد سعید سہالوی نے عالمگیر کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی تو "فرنگی محل" کا علاقہ ان کو معافی میں دیا گیا۔ (۲۲)

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مطابق: "فرنگی محل ہندوستان کے مشہور شہر لکھنو میں ایک رہائشی علاقے کا نام تھا جو مغل بادشاہ جہانگیر [1658-1707] نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ایک معاہدہ کے تحت دیا تھا، جہانگیر اس زمانے میں کسی بیماری میں مبتلا ہوا تو کئی مقامی طبیبوں نے اس کا علاج کیا لیکن صحت یاب نہ ہوا۔ ایک انگریز ڈاکٹر کے علاج سے شفایاب ہوئے۔ اس پر جہانگیر نے خوش ہو کر پوچھا کہ کیا چاہیے؟ ڈاکٹر نے کہا کہ میری قوم کے کچھ لوگ یہاں لکھنو میں تجارت کے لئے آئے ہیں، ان کو بعض اوقات مشکلات پیش آتی ہیں اس لئے آپ ان کو تجارت کی آزادانہ اجازت دے دیں اور رہائش اور تجارتی امور میں مناسب مراعات بھی جاری فرما دیں۔ اس پر جہانگیر نے شاہی فرمان جاری کیا اور لکھنو کے محلّہ ''احاطہ چراغ بیگ'' میں ایک بڑا محل یا کوٹھی ان کو دے دی، انگریزوں کو غیر منقسم ہندوستان میں فرنگی بھی کہا جاتا تھا، اس لئے انگریزوں کی وجہ سے وہ کوٹھی ''فرنگی محل'' کہلاتی تھی اور پھر آگے چل کر فرنگی محل کی وجہ سے وہ پورا محلّہ فرنگی محل کے نام سے مشہور ہوا۔ ایک عرصے

کے بعد اورنگ زیب بادشاہ [1707-1658] کے دور میں ان کو اطلاع ملی کہ انگریزوں کی طرف سے شاہی فرمان میں دی گئی ان شرائطوں کی خلاف ورزی کی گئی ہے جو جہانگیر نے اپنے دور میں طے کیں تھیں اس پر اورنگ زیب نے وہ کوٹھی ضبط کر لی اور بعدازاں اسی فرنگی محل کا ایک حصہ ملا نظام الدین سہالوی کو رہائش کے لئے دیا، اور ایک حصے میں اورنگ زیب کے مشورے پر انہوں نے اپنا حلقہ درس قائم کیا جو تاریخ میں مدرسہ فرنگی محل کے نام سے مشہور ہوا۔ اس درس گاہ کے فارغ التحصیل علماء تاریخ میں علمائے فرنگی محل کہلائے۔ اس مدرسہ فرنگی محل میں ملا نظامی الدین کا مرتب کردہ نصاب تعلیم رائج تھا جو ان کی نسبت سے درس نظامی کے نام سے مشہور تھا (۲۳)۔"

''درس نظامی'' اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت میں برصغیر پاک و ہند میں پروان چڑھا جو کئی ایک تبدیلیوں کے ساتھ آج بھی برصغیر پاک و ہند کے دینی مدارس میں رائج ہے۔ ملا نظام الدین سہالوی کا مرتب کردہ درس نظامی حسب ذیل ہے:

نمبر شمار	نام علم و فن	تفصیل کتب و مصنفین
۱	تفسیر	جلالین: جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ / 1505ء) وجلال الدین محلی (م۸۶۴ھ/ 1459ء)، بیضاوی: ناصرالدین بیضاوی (م۶۸۵ھ/ 286ء)
۲	حدیث	مشکوۃ المصابیح (مکمل): ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ (م۷۶۰ھ)
۳	فقہ	ہدایہ: علامہ برہان الدین مرغینانی (م۵۹۳ھ/ 1197ء)، شرح وقایہ (ثانی): عبیداللہ بن مسعود، صدرالشریعہ (م۷۴۷ھ/ 1346ء)
۴	اصول فقہ	توضیح وتلویح: سعدالدین تفتازانی (م۷۹۲ھ/ 1389ء)، نورالانوار: شیخ احمد بن ابی سعید، ملا جیون (م۱۱۳۰ھ/ 1718ء)، مسلم الثبوت: قاضی محب اللہ بہاری (م۱۱۱۹ھ/ 1707ء)
۵	نحو	نحو میر: سید شریف جرجانی (م۸۱۶ھ/ 1413ء)، شرح مائۃ عامل: حسین بن عبداللہ نوقانی (م۹۲۶ھ/ 1520ء)، ہدایۃ النحو: ابوحیان، محمد بن یوسف بن علی (م۷۴۵ھ/ 1344ء)، کافیہ: ابن حاجب (م۶۴۶ھ/ 1249ء)، شرح جامی: نور الدین عبدالرحمٰن جامی (م۸۹۸ھ/ 1492ء)
۶	صرف	میزان: ملاحمزہ بدایونی، منشعب: ملاحمید الدین کاکوری (م۱۲۱۵ھ/ 1801ء)، صرف میر: سید شریف جرجانی (م۸۱۶ھ/ 1413ء)، پنج گنج: سراج الدین اودھی (م۷۵۸ھ)، زبدہ: ظہیر بن محمود بن مسعود علوی، فصول اکبری: قاضی علی اکبر حسینی آلہ آبادی (م۱۰۹۰ھ/ 1678ء)، شافیہ: ابن حاجب (۶۴۶ھ/ 1249ء)
۷	بلاغت	مختصر المعانی: سعدالدین تفتازانی (۷۹۶ھ / 1389ء)، مطول: سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی (م۷۹۲ھ/ 1389ء)

۸	کلام	شرح عقائد نسفی: سعد الدین تفتازانی، شرح عقائد جلالی: جلال الدین دوانی (م۹۰۸ھ/ 1502ء)، شرح مواقف: سید شریف جرجانی (م۸۱۶ھ/ 1413ء)، رسالہ میر زاہد: میر محمد زاہد ہروی (م۱۱۰۱ھ/1690ء)
۹	منطق	قطبی: قطب الدین رازی، سلم العلوم: قاضی محبّ اللہ بہاری، میر قطبی: میر سید شریف جرجانی، صغریٰ: میر سید شریف جرجانی (م۸۱۶ھ/1413ء) کبریٰ: میر سید شریف جرجانی (م۸۱۶ھ/ 1413ء)، ایساغوجی: اثیر الدین ابہری (۷۴۵ھ/ 1344ء)، تہذیب: سعد الدین تفتازانی (م۷۹۲ھ/ 1389ء)، شرح تہذیب: عبداللہ یزدی (۹۸۱ھ/1575ء)
۱۰	فلسفہ/ حکمت	شرح ہدایۃ الحکمۃ (میبذی): میر حسین میبذی (م۱۰۹۶ھ/1685ء)، صدرا: صدر الدین محمد بن ابراہیم (م۱۰۵۱ھ/1640ء)، شمس بازغہ: ملا محمود بن شیخ محمد بن شاہ محمد فاروق جون پوری (م۱۰۶۲ھ/1652ء)
۱۱	ریاضی	خلاصہ الحساب: بہاء الدین عالمی (م۱۰۳۱ھ/1622ء)، تحریر اقلیدس: خواجہ نصیر الدین طوسی (م۶۷۲ھ/ 1275ء)، تشریح الافلاک: بہاء الدین عاملی (م۱۰۳۱ھ/1622ء)، رسالہ قوشجیہ: علاء الدین قوشجی (م۸۷۹ھ/ 1474ء)، شرح چغمینی: علامہ موسیٰ پاشا رومی (م۸۲۳ھ تا۸۴۱ھ/ 1437 تا1419ء)

یہ نصاب تعلیم ہندوستان میں، مختلف مسلم ادوار میں، اعلیٰ دینی تعلیم کے رائج مختلف نصاب ہائے تعلیم کی ترقی یافتہ شکل تھی (۲۴)۔ یقیناً اس پر، اس کے پیش رو نصابوں کے گہرے اثرات تھے۔ تاہم اس میں جس طرح بیک جُنبشِ قلم "تصوّف" کو خارج کر دیا گیا وہ حیران کن بھی تھا اور نقصان دہ بھی۔

- ذیل کے جدول سے واضح ہو گا کہ برصغیر کے نصاب ہائے تعلیم میں "تصوّف" کس نصاب کا کس قدر حصہ تھا۔

الف: چاروں نصابوں میں کسی کتاب کی موجودگی کو علامت "☆" سے اور غیر موجودگی کو علامت "X" سے ظاہر کیا جا رہا ہے۔

فن	کتاب	نصاب محمود غزنوی	نصاب سکندر لودھی	نصاب دور اکبری	درس نظامی
تصوف	۱: عوارف المعارف: شیخ شہاب الدین سہروردی	☆	☆	☆	X
	۲: فصوص الحکم: ابن عربی، شیخ ابوبکر محی الدین محمد بن علی	☆	☆	X	X

	۳: نقد النصوص: نورالدین عبدالرحمٰن جامی	☆	☆	X	X
	۴: لمعات: فخر الدین ابراہیم ہمدانی	☆	☆	X	X
	۵: رسائل نقشبندیہ: نورالدین جامی	X	X	☆	X
	۶: شرح رباعیات: نورالدین جامی	X	X	☆	X
	۷: مقدمہ شرح لمعات: فخر الدین ابراہیم ہمدانی	X	X	☆	X
	۸: مقدمہ نقد النصوص: نورالدین جامی	X	X	☆	X

- مذکورہ نصاب میں "تصوف" کے مضمون میں مذکورہ آٹھ کتب شامل ہیں، جن میں سر فہرست "عوارف المعارف" ہے، جس کے مصنف حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی (632-539ھ / 1234-1145ء) حضرت ابن عربیؒ کے معاصر تھے۔ ایک روایت ہے کہ مکہ معظّمہ میں اتفاقاً دونوں کی مڈ بھیڑ ہوگئی اور دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، ایک لفظ زبان سے نہ نکالا اور رخصت ہو گئے۔ شیخ سہروردیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ کے مکتبِ خیال سے تعلق رکھتے تھے، شیخ اکبرؒ، شیخ بایزید بسطامیؒ اور شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے نظریات سے متاثر تھے۔ شیخ سہروردیؒ کی کتاب عوارف المعارف، تصوف کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ تیرہویں صدی میں جب سلاسل کی تنظیم شروع ہوئی تو سہروردیہ سلسلہ کے علاوہ دیگر سلسلوں نے بھی اس کتاب کو اپنا لیا۔ عوارف المعارف کو خوبی یہ ہے کہ اس میں تصوف کے بنیادی اعتقادات، خانقاہوں کی تنظیم، مریدین وشیوخ کے تعلقات اور دیگر مسائل پر نہایت وضاحت سے کتاب وسنت کی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ تصوف کی اصطلاحات کے معنی مختصر، لیکن جامع طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ ایک طرف تو تصوف کا پورا فلسفہ اس میں مدوّن ہو گیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف خانقاہی نظام کے متعلق تفصیلی بحث آ گئی ہے۔ چشتیہ سلسلہ کے مشائخ میں بھی اس کتاب کی بڑی قدر کرتے تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ اپنے اعلیٰ مریدین اور خلفاء کو اس کا درس دیا کرتے تھے۔ محمد غوثی کا بیان تو یہ ہے کہ حضرت بابا صاحبؒ نے اس پر ایک حاشیہ بھی لکھا تھا۔ (۲۵)

اسی طرح مذکورہ کتب تصوف میں فصوص الحکم کا نام بھی نمایاں ہے جس کے مصنف شیخ ابوبکر محی الدین، جو تاریخ میں ابن عربی اور الشیخ الاکبر کے نام سے معروف ہیں، آپ ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ/ ۲۸ جولائی ۱۱۶۵ء کو اندلس کے جنوب مشرق میں واقع

مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ شیخ محی الدین ابن عربی کی شخصیت اپنے افکار کی گہرائی اور اسرار تصوف کے مخصوص انداز تحقیق کی بنا پر تاریخ تصوف میں ایک امتیازی مقام کی حامل ہے۔ ابن عربی بیشمار کتابوں کے مصنف ہیں، الفتوحات المکیہ فی معرفۃ الاسرار المالکیۃ والمملکیۃ آپ کی سب ضخیم، اہم اور آخری کتاب ہے، جو مکۃ المکرّمہ میں لکھی گئی۔ زندگی کے آخری ایام آپ نے دمشق میں گزارے، جہاں ۶۳۸ھ/۱۲۴۰ء میں وفات پائی۔

تصوف کے حوالے سے مولانا عبدالرحمٰن جامی کی تصانیف رسالہ شرح رباعیات (در توحید و معرفت ذات حق)، رسائل نقشبندیہ، نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص، (منثور) مقدمہ اور نقد النصوص شامل ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن کا لقب نور الدین اور تخلص جامی ہے، مولانا جامی کو تصوف سے گہرا شغف تھا۔ اوائل عمری میں معروف شخصیت خواجہ میں پارسا سے اکتساب فیض کیا اور ان کی محفل کی خوشبو ساری زندگی اپنے دل و دماغ میں بسائے رکھی۔ مولانا جامی کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ اسی طرح لمعات اور مقدمہ شرح لمعات شیخ ابراہیم فخر الدین ہمدانی کی گراں قدر تصانیف ہیں جس پر مولانا عبدالرحمٰن جامی نے اشعۃ اللمعات کے نام سے ایک جامع شرح بھی لکھی۔ یہ کتاب بہارستان، گلستان سعدی کی طرز پر ہے جسمیں آٹھ ابواب ہیں، جو درویشیوں، صوفیوں اور بادشاہوں کے عدل وانصاف، سخاوت، ایثار ومحبت جیسے مضامین سے مزین ہے۔

● "تصوّف" کا اخراج:

ملا نظام الدین سہالوی نے اپنے نصاب سے پہلی مرتبہ "تصوّف وسلوک" کو خارج کیا۔ ملاّ صاحب کی رائے میں: "اس وقت تک ان کتابوں کا مطالعہ مفید نہیں ہوسکتا، جب تک مرشدِ کامل کی راہنمائی میسر نہ ہو"۔ یہ ایک ایسا قدم تھا جس کے باعث درس و تدریس کا اخلاق و تصوف سے بُعد بڑھتا چلا گیا۔ نہ مرشدِ کامل کی طلب اور تلاش باقی رہی اور نہ ہی کتبِ تصوّف سے آشنائی۔ حالانکہ مُلاّ نظام الدین سہالوی از خود روحانی اشغال اور باطنی کیفیات کے حامل تھے اور حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی (۱۳۳۶/۲۳/۱۷ء) سے بیعت اور خصوصی روحانی نسبت میسر تھی، اور انہوں نے اپنے مرشد کے حالات واحوال پر ایک مستقل کتاب "مناقبِ رزاقیہ" بھی تالیف کی۔ آپ کی طبیعت پر تبحر علمی کے باوجود بے نفسی اور تواضع کا غلبہ تھا، چنانچہ انہوں نے کبھی کسی سے مجادلہ یا مناظرہ نہ کیا۔ اقوالِ قدماء پر ان کی نگاہ بڑی وسیع تھی۔ صاحب مآثر الکرام، غلام علی آزاد کا بیان ہے کہ "۹ ذوالحجہ ۱۱۴۸ھ/۱۷۳۵ء کو ان کی ملاقات کے لیے پہنچا تو ان کو ثقہ عالم پایا اور چہرے پر تقدس کے نشانات دیکھے"۔ وہ ایک عارف کامل اور صاحب وجد وحال بھی تھے، چنانچہ خلق کثیر نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ درسِ نظامی سے "اخلاق وتصوف" کے اخراج پر شاہ سلیمان آف پھلواری شریف کا تبصرہ "الندوہ" کے حوالے سے صاحبِ رودِ کوثر نے رقم کیا ہے:

"حضرت ملا صاحب (نظام الدین) قدس سرہٗ صوفی صافی عالی مشرب تھے۔ اگر وہ اس نظامِ درس کو درست فرماتے تو تصوّف یا اخلاق کی کوئی کتاب اس میں ضرور داخل کرتے۔ حالانکہ اس درسِ نظامیہ میں تصوف واخلاق کی کوئی ایک

کتاب نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ اس درس سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں' وہ تصوّف و اخلاق سے بالکل کورے ہوتے ہیں۔ ہاں اگر کسی درویش صوفی کی صحبت اختیار کی اور اس کے معتقد ہوئے تو کچھ تصوف و اخلاق کا اثر ان میں پیدا ہو جاتا ہے۔"(۲۶)

نظام تعلیم میں نصاب کو وقتی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا سلسلہ ہمیشہ کی طرح آج کے دور میں بھی جاری ہے ایسی ہی ایک کوشش ڈاکٹر محمد امین نے ''دینی مدارس اور اصلاح نصاب'' کے عنوان سے کی ہے، جس میں اہل سنت کے چاروں وفاقوں کے ثقہ علماء سے مشاورت کے بعد سفارشات مرتب کی گئیں ہیں، جس میں انہوں نے تزکیہ اور تربیت کے لیے ذکر و فکر کے حلقوں کے قیام اور ''صحبت صالحین'' کے اہتمام پر زور دینے کے علاوہ اپنے مجوزہ نصاب میں غزالی کی احیاء العلوم اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف کو شامل کیا ہے۔

- اپنی اس بحث کو خلیق احمد نظامی کے ان الفاظ پر سمیٹتے ہیں:

"انفرادی زندگی کی اصلاح، تزکیۂ نفس اور تجلیہ باطن کے لیے کتبِ تصوّف بالخصوص امام غزالی کی کیمیائے سعادت اور شیخ ہجویریؒ کی کشف المحجوب بنیادی کتابیں ہیں۔ ان کی راہبری میں ہر انسان ہر برائی کے منبع و مخرج سے واقف ہو کر اپنی ملکوتی صفات کو اجاگر کر سکتا ہے۔ "تصوّف" کو خارج از نصاب کرنے سے خانقاہ اور مدرسہ میں ایک بُعد پیدا ہوا ہے، حالانکہ ان دونوں "اداروں" کا بنیادی مقصد ایک ہی تھا اور طریقہ کار مختلف۔۔۔ علماء کے خیال میں "احکامِ الٰہی" کی پابندی ہی سب کچھ ہے، جبکہ صوفیاء کہتے تھے، اس سے آگے بھی ایک منزل ہے اور وہ "عشقِ الٰہی" کی ہے۔ اتباعِ احکام بے شک ضروری ہے لیکن اگر اس کے پیچھے محبت کی کارفرمائی نہ ہو تو وہ بے کار ہے۔"(۲۷)

نتائج:

مقالہ میں پیش کی گئی معروضات کی روشنی میں درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

- موجودہ "درس نظامی" ہندوستان میں مختلف مسلم ادوار میں رائج مختلف نصابوں کی ترقی یافتہ شکل ہے، جن میں حسبِ ضرورت تبدیلی عمل میں آتی رہی، چنانچہ درس نظامی کی تشکیل کی اس بنیادی خصوصیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، معاصرانہ ضروریات و مقتضیات کو نصاب کا لازمی حصہ بنانے کے لیے کسی ہچکچاہٹ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔
- ملا نظام الدین سہالوی صوفیانہ مشرب کے حامل متبحر عالم دین تھے، انفرادی کیفیت اور کسی ذاتی تجربہ کی بنیاد پر اگر انہوں نے "تصوف" کی تدریس کو خارج از نصاب کیا ہے تو اس کے مثبت اور منفی اثرات کا جائزہ لے کر، اس مضمون کی نصاب میں از سرِ نو شمولیت کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔
- ظاہری علوم کے ساتھ "اخلاق و تصوّف" کا مطالعہ انفرادی شخصیت کو سنوارنے اور اجتماعی نظام کو اعلیٰ روحانی اقدار سے روشناس کروانے کا باعث ہے۔ اس کے لیے کسی "صاحبِ نظر" کی محبت اپنی جگہ بجا، لیکن شیخ کامل کی معیت میسر نہ ہونے کے سبب اخلاق و تصوّف کی تدریس سے دست کش ہو جانا مبنی بر حکمت نہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (۲۵۶:۴ھ) جامع صحیح، کتاب الإیمان، باب سؤ ال جبریل النبی عن الایمان والاسلام الخ، حدیث رقم ۴۷

۲۔ پروفیسر خورشید احمد، نظام تعلیم: نظریہ، روایت، مسائل، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اسلام آباد 1996ء، ص۴

۳۔ ایضاً، ص۳۰

۴۔ نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص۴

۵۔ کرمانی، سید محمد بن مبارک، سیر الاولیاء، غلام احمد بریاں، مشتاق بک کارنر لاہور، ص۱۰۳

۶۔ نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ص۱۴

۷۔ نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، مطبع احمد برادرز پرنٹرز کراچی، ص۲۰۰

۸۔ ایضاً، ص۲۰۴

۹۔ نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص۱۸

۱۰۔ سالک، عبدالمجید، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ص۶۵

۱۱۔ ندوی، ابوالحسنات، ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں، امرتسر، ۱۳۴۱ھ، ص۳۹۔۴۱

۱۲۔ مناظر احسن، ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، دہلی ۱۹۴۴ء، ۳۱۷/۱

۱۳۔ دوست محمد خاں، پروفیسر، مدارسِ دینیہ کے نصاب "درس نظامی" کی تشکیلی بنیادیں، القلم، ۲۰۱۲ء، پنجاب یونیورسٹی، ص۲۷۳۔۲۷۴

۱۴۔ انجم رحمانی، پاکستان میں تعلیم، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص۳۱

۱۵۔ ہندوستان میں قدیم اسلامی درسگاہیں، ص۹۶ ۱۶۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، ۳۱۷/۱

۱۷۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت، ۱۹۵/۱۔۱۹۶

۱۸۔ شیخ محمد اکرام، رودِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص۳۵

۱۹۔ معینی، سید عبدالواحد، مولف مقالاتِ اقبال، شیخ محمد اشرف، لاہور، ۱۹۶۳ء، ص۱۲۵، ۱۲۶

۲۰۔ صدیقی، بختیار حسین، پروفیسر، برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظامِ تعلیم، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۲۰۰۹ء، ص۱۶

۲۱۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۸۹ء، ۳۵۵/۲۲

۲۲۔ شیخ محمد اکرام، رودِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۹ء، ص۶۰۸

۲۳۔ غازی، محمود احمد، مسلمانوں کا دینی وعصری نظامِ تعلیم: خطبات وتقاریر، الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ، ۲۰۰۹ء، ص۲۱۰، ۲۰۹

۲۴۔ مدارس دینیہ کے نصاب "درس نظامی" کی تشکیلی بنیادیں، القلم، ص۲۷۱

۲۵۔ تاریخ مشائخ چشت، ص۱۴۳ ۲۶۔ رودِ کوثر، ص۶۰۶ ۲۷۔ تاریخ مشائخ چشت، ص۴۲۶